رادھا!"

یہ کہتے ہوئے وہ مالتی کے پیروں کی طرف جھکے اور منہ کے بل فرش پر گر پڑے۔ مرزا نے دوڑ کر انھیں سنبھالا اور کرسیاں ہٹا کر وہیں زمین پر لٹا دیا۔ پھر ان کے کانوں کے پاس منہ لے جا کر بولے "رام رام ست ہے! کہیئے تو آپ کا جنازہ نکالوں؟"

رائے صاحب نے کہا: "کل دیکھنا کتنا بگڑتا ہے۔ ایک ایک کو اپنے اخبار میں کوسے گا اور اس طرح کہ آپ بھی یاد کریں گے۔ ایک ہی پاجی ہے، کسی پر رحم نہیں کرتا۔ لکھنے میں تو اپنا ثانی نہیں رکھتا۔ ایسا گدھا آدمی کیسے اتنا اچھا لکھتا ہے، یہ ایک راز ہے۔"

کئی آدمیوں نے ایڈیٹر صاحب کو اٹھایا اور لے جا کر ان کے کمرے میں لٹا دیا۔ مگر پنڈال میں دھنش یگیہ شروع ہو گیا تھا۔ کئی بار ان لوگوں کو بلانے کے لئے آدمی آ چکے تھے۔ حاکم بھی پنڈال میں آ پہنچے تھے۔ لوگ ادھر جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے کہ دفعتاً ایک افغان آ کر کھڑا ہو گیا گورا رنگ، بڑی بڑی مونچھیں، اونچا قد، چوڑا سینہ، آنکھوں میں بے خوفی کا جنون بھرا ہوا، ڈھیلا لمبا کرتا، پیروں میں شلوار، درزی کے کام کی صدری، سر پر پگڑی اور کلاہ، کندھے سے چمڑے کا بیگ لٹکائے۔ کندھے پر بندوق رکھے اور کمر میں تلوار باندھے بخانے کدھر سے آ کھڑا ہوا اور گرج کر بولا: "خبردار کوئی یہاں مت جاؤ۔ ہمارے ساتھ کے آدمی پر ڈاکہ پڑا ہے۔ یہاں کا جو سردار ہے وہ ہمارا آدمی کو لوٹ لیا ہے اُس کا مال تم کو دینا ہوگا۔ ایک ایک کوڑی دینا ہوگا۔ کہاں ہے سردار اس کو بلاؤ!"

لالہ صاحب نے سامنے آکر غصہ بھری آواز میں کہا: "کیسی لوٹ؟ کیسا ڈاکہ؟ یہ تم لوگوں کا کام ہے۔ یہاں کوئی کسی کو نہیں لوٹتا۔ صاف صاف کہو کیا معاملہ ہے؟"

افغان نے آنکھیں نکالیں اور بندوق کا کندہ زمین پر پٹک کر بولا" ام (ہم) سے پوچھتا ہے کیسا لوٹ، کیسا ڈاکہ؟ تم لوٹتا ہے، تمارا آدمی لوٹتا ہے ام (ہم) یہاں کی کوٹھی کا مالک ہے۔ اماری (ہماری) کوٹھی میں پچیس جوان ہے۔ ہمارا آدمی روپیہ تحصیل (تحصیل) کرنا تھا۔ ایک ہزار۔ وہ تم لوٹ لیا۔ اور کہتا ہے۔ کیسی لوٹ، کیسا ڈاکہ؟ ام (ہم) بتائے گا کیسا ڈاکہ ہوتا ہے۔ امارا پچیسوں جوان ابھی آتا ہے۔ ام (ہم) تمارا گاؤں لوٹ لے گا۔ کوئی سالا کچھ نہیں کرسکتا، کچھ نہیں کرسکتا۔"

کھنا نے افغان کے تیور دیکھے تو چپکے سے اٹھے کہ نکل جائیں اس سے زور سے ڈانٹا" کاں (کہاں) جاتا ہے تم؟ کوئی کہیں نہیں جاسکتا۔ نہیں ام (ہم) سب کو کتل (قتل) کردے گا۔ ابی (ابھی) فیر کردے گا۔ امارا (ہمارا) تم کچھ نہیں کرسکتا۔ ام تمارا پولیس سے نہیں ڈرتا۔ پولیس کا آدمی ہمارا اسکل (شکل) دیکھ کر بھاگتا ہے۔ امارا اپنا کانسل ہے۔ ام اس کو خط لکھ کر لاٹ صاحب کے پاس جاسکتا ہے۔ ام یاں (یہاں) سے کسی کو نئی (نہیں) جانے دے گا۔ تم ہمارا ایک ہزار روپیہ لوٹ لیا۔ امارا روپیہ نئی (نہیں) دے گا تو ہم کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ تم سب آدمی دوسروں کے مال لوٹ کرتا ہے اور یاں (یہاں) معشوق کے ساتھ شراب پیتا ہے۔"

مس مالنی اس کی آنکھ بچا کر کمرے سے نکلنے لگیں کہ وہ بازی کی طرح

ٹوٹ کر ان کے سامنے آ کھڑا ہوا اور بولا "تم ان بدمعاشوں سے ہمارا مال دلوائے نئی (نہیں) ام تم کو اٹھالے جائے گا اور اپنی کوٹھی میں جشن منائے گا۔ تمارا حسن پر ہم عاشق ہوگیا یا تو ام کو (ہم کو) ایک ہزار ابی ابی (ابھی ابھی) دے دے یا تم کو امارے ساتھ چلنا پڑے گا۔ تم کو ہم نہیں چھوڑے گا۔ ام تمارا عاشق ہوگیا ہے۔ ہمارا دل اور جگر پھٹا جاتا ہے۔ امارا اس جگہ پچیس جوان ہے۔ اس ضلع میں امارا پانچ سو جوان کام کرتا ہے۔ ام اپنے قبیلے کا خان ہے۔ امارے قبیلے میں دس ہزار سپاہی ہے۔ ہم کابل کے امیر سے لڑ سکتا ہے۔ انگریز سرکار ام کو بیس ہزار سالانہ خرچ دیتا ہے۔ اگر تم امارا (ہمارا) روپیہ نہیں دے گا تو ہم گاؤں لوٹ لے گا اور تمارا معشوق کو اٹھائے جائے گا۔ خون کرنے میں ہم کو مزہ آتا ہے۔"

مجلس پر خوف چھا گیا۔ مس مالتی اپنا چہکنا بھول گئیں، کھنائی پنڈلیاں کانپ رہی تھیں۔ بے چارے چوٹ چیپٹ کے ڈر سے یک منزلہ بنگلے میں رہتے تھے۔ زینہ پر چڑھنا ان کے لئے سولی پر چڑھنے سے کم نہ تھا۔ گرمی میں بھی دہشت کے مارے کمرے میں سوتے تھے۔ رائے صاحب کو چھتری پن کا گھمنڈ تھا۔ وہ اپنے ہی گاؤں میں ایک پٹھان سے ڈر جانا مضحکہ انگیز سمجھتے تھے۔ مگر اس کی بندوق کو کیا کرتے؟ انھوں نے ذرا بھی چیں چپڑ کی اور اس نے بندوق داغ دی۔ ہوش تو ہوتے ہی ہیں یہ سب اور نشانہ بھی ان سب کا کبھی بے خطا ہوتا ہے۔ اگر اس کے ہاتھ میں بندوق نہ ہوتی تو رائے صاحب اس سے سنگین ملانے کو تیار ہو جاتے۔ مشکل یہی تھی کہ کمبخت

کسی کو باہر نہیں جانے دیتا ورنہ دم کے دم میں سارا گاؤں جمع ہو جاتا اور اس کے پورے جتھے کو مار پیٹ کر رکھ دیتا۔

آخر انھوں نے دل مضبوط کیا اور جان پر کھیل کر بولے "ہم نے آپ سے کہہ دیا کہ ہم چور ڈاکو نہیں ہیں۔ میں یہاں کے کونسل کا ممبر ہوں اور یہ دیوی جی لکھنؤ کی مشہور ڈاکٹر ہیں، یہاں سب ہی شریف اور معزز لوگ جمع ہیں۔ ہمیں بالکل خبر نہیں کہ آپ کے آدمیوں کو کس نے لوٹا۔ آپ جا کر تھانے میں رپٹ کیجئے۔"

خان نے زمین پر پیر پٹکے، پیترے بدلے اور بندوق کو کندھے سے اتار کر ہاتھ میں لیتا ہوا دھاڑ اٹھا "مت بک بک کرو، کونسل کا ممبر کو ہم اسی طرح پیروں سے مسل دیتا ہے (زمین پر پاؤں رگڑتا ہی) ہمارا ہاتھ مضبوط ہے، ہمارا دل مضبوط ہے، ہم خدا کے سوا اور کسی سے نہیں ڈرتا، تم ہمارا روپیہ نہیں دے گا تو ہم (رائے صاحب کی طرف اشارہ کر کے) ابھی ابھی تم کو قتل کر دے گا۔"

اپنی طرف بندوق کا سرا دیکھ کر رائے صاحب جھک کر میز کے برابر آ گئے۔ عجیب مصیبت تھی۔ شیطان خواہ مخواہ کہتا ہی جاتا ہے کہ تم نے ہمارے روپئے لوٹ لئے۔ نہ کچھ سنتا ہی، نہ کچھ سمجھتا ہی اور نہ کسی کو باہر جانے آنے دیتا ہی۔ نوکر چاکر، سپاہی پیادے سب دھنش یگیہ دیکھنے میں مصروف تھے، زمینداروں کے نوکر، یوں بھی کاہل اور کام چور ہوتے ہی ہیں جب تک دس دفعہ نہ پکارا جائے بولتے ہی نہیں اور اس وقت تو وہ ایک اچھے کام میں لگے ہوئے تھے

دھنش یگیہ ان کے لئے تماشا نہیں بلکہ بھگوان کی لیلا تھی۔ اگر ایک آدمی بھی ادھر آجاتا تو سپاہیوں کو خبر ہو جاتی اور دم بھر میں خان کی ساری خانی نکل جاتی۔ داڑھی کا ایک ایک بال نچ جاتا۔ کتنا غصہ ور ہی۔ ہوتے بھی تو جلاّد ہیں۔ نہ مرنے کا غم نہ جینے کی خوشی۔

مرزا سے انگریزی میں بولے: "اب کیا کرنا چاہیئے؟"

مرزا صاحب نے حیرت سے دیکھا: "کیا بتا دوں، کچھ عقل کام نہیں کرتی۔ میں آج اپنا پستول گھر ہی میں چھوڑ آیا ورنہ مزا چکھا دیتا۔"

کھنّا رونی صورت بنا کر بولے: "کچھ روپئے دے کر کسی طرح اس بلا کو ٹالے۔"

رائے صاحب نے مالتی کی طرف دیکھا: "دیوی جی، اب آپ کی کیا صلاح ہے؟"

مالتی کا چہرہ تمتما رہا تھا بولی: "ہوگا کیا؟ میری اتنی بے عزتی ہو رہی ہے اور آپ لوگ بیٹھے دیکھ رہے ہیں۔ میں مردوں کے ہوتے ایک اجڈ پٹھان میری اتنی درگت کر رہا ہے اور آپ لوگوں کے خون میں ذرا بھی گرمی نہیں آتی۔ آپ کو جان پیاری ہے؟ کیوں ایک آدمی باہر جا کر شور نہیں مچاتا؟ کیوں آپ لوگ اس پر جھپٹ کر اس کے ہاتھ سے بندوق نہیں چھین لیتے؟ بندوق ہی تو چلائے گا؟ چلانے دو۔ ایک یا دو کی جان ہی تو جائے گی؟ جانے دو۔"

مگر دیوی جی مرجانا جتنا آسان سمجھتی تھیں اور لوگ نہ سمجھتے تھے۔ کوئی آدمی باہر نکلنے کی پھر ہمت کرے اور پٹھان غصّے میں آکر دس پانچ فیر کر دے تو یہاں صفایا ہو جائے گا۔ بہت ہوگا تو اسے پھانسی کی سزا ہوگی۔ وہ بھی

کیا ٹھیک؟ ایک بڑے قبیلے کا سردار ہے اسے پھانسی دیتے ہوئے سرکار بھی سوچ بچار کرے گی۔ اوپر سے دباؤ پڑے گا۔ سیاست کے مقابلے میں انصاف کو کون پوچھتا ہے؟ ہمارے اوپر لٹے مقدمے دائر ہو جائیں اور زائد پولیس تعینات کر دی جائے تو تعجب نہیں۔ کتنے مزے سے ہنسی مذاق ہو رہا تھا اب تک ڈرامہ کا لطف اٹھاتے ہوتے۔ اس شیطان نے آکر ایک نئی بلا کھڑی کر دی اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلا دو ایک خون کئے مانے گا بھی نہیں۔

کھنا نے مالتی کو پھٹکارا: "دیوی جی، آپ تو ہمیں لتاڑ رہی ہیں جیسے اپنی جان بچانا کوئی پاپ ہے۔ جان سب ہی جانداروں کو پیاری ہوتی ہے اور ہمیں بھی ہو تو کوئی شرم کی بات نہیں۔ آپ ہماری جان اتنی سستی سمجھتی ہیں، یہ دیکھ کر مجھے رنج ہوتا ہے۔ ایک ہزار ہی کا تو معاملہ ہے۔ آپ کے پاس مفت کے ایک ہزار ہیں، وہ دے کر کیوں نہیں رخصت کر دیتیں؟ آپ خود اپنی بے عزتی کرا رہی ہیں، اس میں ہمارا کیا قصور؟"

رائے صاحب نے گرم ہو کر کہا: "اگر اس نے دیوی جی کو ہاتھ لگایا تو چاہے میری لاش یہیں تڑپنے لگے، میں اس سے بھڑ جاؤں گا۔ آخر وہ بھی آدمی ہی تو ہے۔"

مرزا نے شبہ سے سر ہلا کر کہا: "رائے صاحب، آپ ابھی ان سب کے مزاج سے واقف نہیں ہیں۔ یہ فائر کرنا شروع کرے گا تو پھر کسی کو زندہ نہ چھوڑے گا۔ ان کا نشانہ بے خطا ہوتا ہے۔"

مسٹر تنخا آنے والے چناؤ کا مسئلہ حل کرنے آئے تھے اور دس پانچ ہزار کا نچھاور کر کے گھر جانے کا خواب دیکھ رہے تھے۔ یہاں جان ہی

عذاب میں پڑگئی۔ بولے "سب سے سہل طریقہ وہی ہے جو ابھی کھنّا جی نے بتایا۔ ایک ہزار ہی کی بات ہے اور روپئے موجود ہیں تو پھر آپ لوگ کیوں اتنا پس و پیش کر رہے ہیں؟"

مس مالتی نے ٹنخا کو حقارت بھری آنکھوں سے دیکھا، بولیں "آپ لوگ اتنے بزدل ہیں، یہ میں نہ سمجھتی تھی۔"

"میں بھی یہ نہ سمجھتا تھا کہ آپ کو روپئے اتنے پیارے ہیں اور وہ بھی مفت کے روپئے۔"

جب آپ لوگ میری بے عزّتی دیکھ سکتے ہیں تو اپنے گھر عورتوں کی بھی بے عزّتی دیکھ سکتے ہوں گے؟"

"تو آپ بھی پیسے کے لئے اپنے گھر کے مردوں کو قربان کر دینے میں تامّل نہ کریں گی؟"

خان اتنی دیر تک جھلّایا ہوا سا ان لوگوں کی گٹ پٹ سُن رہا تھا۔ اب یکا یک گرج کر بولا: "ام اب نہیں مانے گا۔ ام اتنی دیر سے یہاں کھڑا ہے۔ تم لوگ کوئی جواب نہیں دیتا (جیب سے سیٹی نکال کر) ام تم کو ایک لمحہ اور دیتا ہے، اگر تم روپیہ نہیں دیتا تو ہم سیٹی بجائے گا اور امارا پچیس جوان یہاں آجائے گا۔" پھر آنکھوں سے عشق کا اظہار کرتے ہوئے مس مالتی سے بولا "تم امارے ساتھ چلے گا، دلدار! ام تمارے اوپر فدا ہوجائے گا۔ اپنا جان تمارے قدموں میں رکھ دے گا۔ اتنا آدمی تمارا عاشق ہے مگر کوئی سچا عاشق نہیں ہے۔ سچا عاشق کیسا ہوتا ہے، ہم دکھا دے گا۔ تمارا اشارہ پاتے ہی ام اپنے سینے میں خنجر چبھا سکتا ہے۔"

مرزا نے گھگھیا کر کہا: "دیوی جی، خدا کے لئے اس موذی کو روپئے دے دیجئے۔"

کھنّا نے دست بستہ التجا کی: "ہم پر رحم کرو مس مالتی!"

رائے صاحب تن کر بولے: "ہرگز نہیں۔ آج جو کچھ ہونا ہے ہو جانے دیجئے۔ یا تو ہم خود مر جائیں گے یا ان ظالموں کو سدا کے لئے سبق دے دیں گے۔"

ٹنخا نے رائے صاحب کو ڈانٹ بتائی: "شیر کی مانند میں گھسنا کوئی بہادری نہیں ہے۔ میں اسے حماقت سمجھتا ہوں۔"

مگر مس مالتی کے دلی خیالات کچھ اور ہی تھے۔ خان کی محبت بھری نگاہوں نے انھیں مطمئن کر دیا تھا اور اب اس تماشے میں انھیں کچھ منچلے پن کا سرور آ رہا تھا۔ ان کا جی کچھ دیر ان جواں مردوں کے بیچ میں رہ کر ان کے وحشیانہ عشق کا لطف اٹھانے کے لئے للچا رہا تھا۔ مہذبانہ عشق کی کمزوری اور مردہ دلی کا انھیں تجربہ ہو چکا تھا۔ آج وحشی اور نامہذب پٹھانوں کے مجنونانہ عشق کے لئے ان کا دل بے قرار تھا، جیسے موسیقی کا لطف اٹھانے کے بعد کوئی مست ہاتھیوں کی لڑائی دیکھنے کو دوڑے۔

انھوں نے خان کے سامنے آ کر بے خوفی سے کہا: "تمھیں روپئے نہیں ملیں گے۔"

خان نے ہاتھ بڑھا کر کہا: "تو ام تم کو لوٹ لے جائے گا۔"

"تم اتنے آدمیوں کے درمیان سے ہمیں نہیں لے جا سکتے۔"

"ہم تم کو ایک ہزار آدمیوں کے درمیان سے لے جا سکتا ہے۔"

"تم کو جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا۔"

"ہم اپنے معشوق کے لئے اپنے بدن کا ایک ایک بوٹی کٹوا سکتا ہے۔"
اس نے مالتی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا۔ اسی وقت ہوری نے کمرے میں قدم رکھا۔ وہ راجہ جنک کا مالی بنا ہوا تھا اور اس کے کھیلوں نے دیہاتیوں کو ہنساتے ہنساتے لوٹ پوٹ کر دیا تھا۔ اس نے سوچا کہ مالک ابھی تک کیوں نہیں آئے۔ وہ بھی تو آکر دیکھیں کہ دیہاتی اس کام میں کتنے ہوشیار ہوتے ہیں۔ ان کے یار دوست بھی دیکھیں۔ کیسے مالک کو بلائے؟ وہ موقع کھوج رہا تھا اور جیوں ہی فرصت ملی دوڑا ہوا یہاں آیا مگر یہاں کا منظر دیکھ کر ششدر ہو گیا۔ سب لوگ بالکل چپ تھے اور کانپتے ہوئے خوف بھری نگاہوں سے خان کو دیکھ رہے تھے اور خان مالتی کو اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ اس نے یہ دیکھ کر سب کچھ بھانپ لیا۔ اسی وقت رائیصاحب نے پکارا۔ "ہوری دوڑ کر جا اور سپاہیوں کو بلا لا! جلد دوڑ!"
ہوری پیچھے مڑا ہی تھا کہ خان نے اس کے آگے بندوق تان کر ڈانٹا۔ "کہاں جاتا ہے سور؟ ہم گولی مار دے گا!"
ہوری گنوار تھا، شرخ پگڑی دیکھ کر اس کی جان نکل جاتی تھی مگر مست سانڈ پر لاٹھی لے کر ٹوٹ پڑتا تھا۔ وہ بزدل نہ تھا، مرنا اور مارنا دونوں ہی جانتا تھا مگر پولیس کے ہتھکنڈوں کے سامنے اس کی ایک نہ چلتی تھی۔ بندھا بندھا کون پھرے؟ گھوس (رشوت) کے روپے کہاں سے لائے؟ بال بچے کس پر؟ پر جب مالک للکارتے ہوں تو پھر کس کا ڈر؟ تب تو وہ موت کے منہ میں بھی کود سکتا ہے!
اس نے جھپٹ کر خان کی کمر پکڑی اور ایسا اڑنگا مارا کہ خان چاروں شانے چت زمین پر آرہے اور لگے پشتو میں گالیاں دینے۔ ہوری

ان کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور زور سے داڑھی پکڑ کر کھینچی۔ داڑھی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ خان نے فوراً اپنی کلاہ اتار کر پھینک دیا اور زور لگا کر اٹھ کھڑا ہوا۔ ارے یہ تو مسٹر مہتا ہیں! وہی!

لوگوں نے چاروں طرف سے مہتا کو گھیر لیا۔ کوئی ان کے گلے لگتا تھا اور کوئی پیٹھ پر تھپکیاں دیتا تھا۔ مسٹر مہتا کے چہرے پر نہ تبسم تھا نہ غرور، خاموش کھڑے تھے گویا کچھ ہوا ہی نہیں۔

مالتی نے نقلی غصہ سے کہا: "آپ نے یہ بہروپیا پن کہاں سیکھا؟ میرا دل ابھی تک دھڑک رہا ہے۔"

مہتا نے مسکراتے ہوئے کہا: "ذرا ان بھلے مانسوں کی جواں مردی کا امتحان لے رہا تھا۔ جو گستاخی ہوئی ہو اسے معاف کیجئے گا۔"

(۷)

یہ کھیل جب ختم ہوا تو اُدھر پنڈال میں دھنش یگیہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ اور سوشل مزاحیہ ڈرامے کی تیاری ہو رہی تھی۔ مگر ان لوگوں کو اس سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ صرف مہتا صاحب دیکھنے گئے اور شروع سے آخر تک جمے رہے۔ انھیں بہت مزا آرہا تھا۔ بیچ بیچ میں تالیاں بجاتے جا رہے تھے اور "پھر کہو، پھر کہو" کا اصرار کر کے ایکٹروں کا حوصلہ بھی بڑھاتے تھے۔ رائے صاحب نے اس کھیل میں ایک مقدمے باز دیہاتی زمیندار کا خاکہ اڑایا تھا۔ کہنے کو تو مزاحیہ تھا مگر درد و الم سے بھرا ہوا۔ ہیرو کا بات بات میں قانونی دفعات کا حوالہ دینا، بیوی پر صرف اس لئے مقدمہ چلانا کہ اس نے کھانا تیار کرنے میں ذرا سی دیر کی تھی، پھر وکیلوں کے نخرے اور دیہاتی گواہوں کی چالاکیاں اور جھانسے بازیاں، گواہی کے لئے فوراً تیار ہو جانا مگر اجلاس پر جاتے وقت خوب مناون کرانا اور طرح طرح کی فرمائش کر کے اتوبنانا۔ یہ سب ہی مناظر دیکھ کر لوگ ہنسی کے مارے لوٹ پوٹ ہوئے جاتے تھے۔ سب سے بہترین منظر وہ تھا جس میں وکیل گواہوں کو ان کے بیانات کا سبق پڑھا رہا تھا۔ گواہوں کا بار بار بھول جانا۔ وکیل کا بگڑنا۔ پھر ہیرو کا دہقانی لہجے میں گواہوں کو سمجھانا اور بالآخر اجلاس پر گواہوں کا بدل جانا، ایسا پُر لطف اور صحیح خاکہ تھا کہ مہتا صاحب اچھل پڑے اور تماشا ختم ہونے پر ہیرو کو گلے سے لگا لیا اور سب ہی ایکٹروں کو ایک ایک تمغہ دینے کا اعلان کر دیا۔ رائے صاحب کے متعلق ان کے دل میں عقیدت

کے جذبات جاگ اٹھے۔ رائے صاحب اسٹیج کے پیچھے ڈرامے کی نگرانی کر رہے تھے۔ مہتا صاحب دوڑ کر ان کے گلے سے لپٹ گئے اور بیخود ہو کر بولے "آپ کی نگاہ اتنی تیز ہے، اس کا مجھے شان گمان بھی نہ تھا۔"

دوسرے روز ناشتہ کے بعد شکار کا پروگرام تھا۔ وہیں کسی ندی کے کنارے پر کھانا پکے، خوب جی بھر کے نہائیں، غوطے لگائیں، اور شام کو لوگ واپس آئیں۔ اس طرح دیہاتی زندگی کا لطف حاصل کیا جائے۔ مہمانوں میں صرف وہی لوگ رہ گئے جن کا رائے صاحب سے گہرا تعلق تھا۔ مسز کھنّا کے سر میں درد تھا۔ بس وہ نہ جا سکیں۔ ایڈیٹر صاحب تو اس جماعت سے جلے ہوئے تھے اور ان لوگوں کے خلاف ایک سلسلۂ مضامین نکالنے اور اچھی طرح خبر لینے کے خیال میں محو تھے۔ "سب کے سب چھٹے ہوئے غنڈے ہیں۔ حرام کے پیسے اڑاتے ہیں اور موٹچھوں پر تاؤ دیتے ہیں۔ دنیا میں کیا ہو رہا ہے، اس کی انھیں کیا خبر؟ ان کے پڑوس میں کون مر رہا ہے، انھیں اس کی کیا پروا؟ انھیں تو اپنے عیش و عشرت سے کام ہے۔ یہ مہتا جو فلسفی بنا پھرتا ہے اسے یہی دُھن ہے کہ زندگی کو ہر طرح مکمّل بناؤ۔ مہینے میں ایک ہزار مار لاتے ہو، تمھیں اختیار ہے کہ زندگی کو مکمّل بناؤ یا اس سے بھی زیادہ۔ جسے یہ فکر مارے ڈالتی ہے کہ لڑکوں کا بیاہ کیسے ہو، یا بیمار بیوی کے لئے ڈاکٹر کیسے آئیں، یا اب کے گھر کا کرایہ کہاں سے آئے گا وہ اپنی زندگی کیسے مکمّل بنائے؟ کھلے سانڈ بنے ہوئے دوسروں کے کھیت میں منہ مارتے پھرتے ہو اور سمجھتے ہو کہ دنیا میں سب سُکھی ہیں۔ تمھاری آنکھیں جب کھلیں گی جب انقلاب ہوگا اور تم سے کہا جائے گا کہ بچّہ کھیت میں چل کر ہل چلاؤ۔ تب دیکھیں گے کہ تمھاری زندگی کیسے مکمّل

ہوتی ہے اور وہ جو ہے مالتی، جو بہتر گھاٹوں کا پانی پی کر بھی مس بنی پھرتی ہے، شادی نہیں کرے گی کیونکہ اس سے زندگی بندشوں میں پڑ جاتی ہے اور بندشوں میں زندگی کا کامل ارتقاء نہیں ہو پاتا۔ وہ ارتقاء تو اسی میں ہے کہ دنیا کو لوٹے جاؤ اور آزادانہ عیش کئے جاؤ۔ ساری بندشیں توڑ دو، دھرم اور سماج کو گولی مارو، فرائض کو پاس نہ پھٹکنے دو، بس تمہاری زندگی مکمل ہو گئی! اس سے زیادہ آسان اور کیا ہو گا؟ ماں باپ سے نہیں پٹتی تو انھیں دھتا بتاؤ، بیاہ مت کرو، یہ بندھن ہے اور بچے ہوں گے تو یہ موہ کا جال ہے! مگر ٹیکس کیوں دیتے ہو؟ قانون بھی تو بندھن ہے، اسے کیوں نہیں توڑتے؟ اس سے کیوں کنی کاٹتے ہو؟ جانتے ہو نا کہ قانون کی ذرا بھی خلاف ورزی کی اور بیڑیاں پڑ جائیں گی۔ بس وہی بندھن توڑ دو جو اپنی ہوس رانیوں میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ رسّی کو سانپ بنا کر پیٹو اور نیں مار خاں بنو، زندہ سانپ کے پاس جاؤ ہی کیوں وہ پھنکار بھی مارے گا تو لہر آنے لگے گی۔ اسے آتا دیکھو تو دم دبا کر بھاگ کھڑے ہو۔ یہ تمہاری مکمل زندگی ہے۔"

شکاری جماعت آٹھ بجے روانہ ہوئی۔ کھنّا نے کبھی شکار نہ کھیلا تھا، بندوق کی آواز سے کانپ اٹھتے تھے، مگر مس مالتی جا رہی تھیں تو وہ کیسے رک سکتے؟ مسٹر ٹنڈا کو ابھی تک چناؤ کے بارے میں بات چیت کرنے کا موقع نہ ملا تھا۔ شاید وہاں مل جائے۔ رائے صاحب اپنے اس علاقے میں عرصے سے نہ گئے تھے۔ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھنا چاہتے تھے۔ کبھی کبھی علاقے میں جانے آنے سے آسامیوں کے ساتھ کچھ تعلق بھی قائم رہتا ہے اور اپنا رعب بھی۔ کارندے اور پیادے بھی چوکس رہتے ہیں۔ مرزا خورشید کو زندگی کے نئے تجربات حاصل کرنے کا شوق

تھا، خصوصاً ایسے، جن میں ہمت دکھانی پڑے۔ مس مالتی تنہا کیسے رہتیں؟ انھیں تو شائقین کا جمگھٹا چاہیئے۔ صرف مہتا صاحب شکار کھیلنے کے لئے سچے حوصلے سے جا رہے تھے۔ رائے صاحب کی خواہش تو تھی کہ خوراک کا سامان، باورچی، کہار، خدمت گار، سب ساتھ چلیں لیکن مہتا نے مخالفت کی۔

کھنا نے کہا: "آخر وہاں کھائیں گے یا بھوکوں مریں گے؟"

مہتا نے جواب دیا: "کھائیں گے کیوں نہیں؟ لیکن آج ہم سب لوگ خود اپنا سارا کام کریں گے۔ دیکھنا تو چاہیئے کہ بلا نوکر کے بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں یا نہیں۔ مس مالتی پکائیں گی اور ہم لوگ کھائیں گے۔ دیہاتوں میں تھالیاں اور پتل مل ہی جاتے ہیں اور ایندھن کی کوئی کمی نہیں شکار ہم کریں گے ہی۔"

مالتی نے گلہ کیا: "معاف کیجئے۔ آپ نے رات میں میری کلائی اتنے زور سے پکڑی کہ ابھی تک دکھ رہی ہے۔"

"کام تو ہم لوگ کریں گے، آپ صرف بتلاتی جائیں گی۔"

مرزا خورشید بولے: "اجی آپ لوگ تماشا دیکھتے رہیئے گا، میں سارا انتظام کر دوں گا۔ بات ہی کون سی ہے؟ جنگل میں ہانڈی اور برتن ڈھونڈھنا حماقت ہے۔ ہرن کا شکار کیجئے، بھونیئے، کھایئے اور وہیں درختوں کے سائے میں خراٹے لیجئے۔"

یہی تجویز منظور ہوئی۔ دو موٹر روانہ ہوئے۔ ایک میں مالتی چلا رہی تھیں اور دوسرا خود رائے صاحب۔ کوئی بیس پچیس میل کے بعد پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا۔ دونوں طرف اونچی پہاڑیوں کا سلسلہ دور تک چلا جا رہا تھا۔

سڑک بھی پیچدار ہوتی جا رہی تھی۔ کچھ دور کی چڑھائی کے بعد یکایک ڈھال آگیا اور موٹر تیزی سے نیچے کی طرف چلے۔ دور سے دریا نظر آرہا تھا۔ کسی مریض کی طرح کمزور اور بے حس کنارے پر برگد کے گھنے سایہ میں موٹر روک دئے گئے اور لوگ اترے۔ یہ مشورہ ہوا کہ دو دو کی ٹولی بنے اور شکار کھیل کر بارہ بجے تک یہاں آجائیں۔ مس مالتی مہتا کے ساتھ جانے کو تیار ہوگئیں۔ کھنا دل موسن کر رہ گیا۔ جس خیال سے آئے تھے اس میں جیسے ہیچپر ہوگیا۔ اگر جانتے کہ مالتی دھوکا دے گی تو گھر واپس لوٹ جاتے۔ مگر رائے صاحب کا ساتھ بھی اتنا دلچسپ نہ سہی تاہم بُرا نہ تھا۔ اُن سے بہت سی معاملے کی باتیں کرنا تھیں۔ خورشید اور ٹنخا بچ رہے ان کی ٹولی بنی بنائی تھی، تینوں ٹولیاں ایک ایک سمت کو چل دیں۔

کچھ دور تک پتھریلی پگڈنڈی پر مہتا کے چلنے کے بعد مالتی نے کہا۔

"تم تو چلے ہی جاتے ہو، ذرا دم تو لے لینے دو۔"

مہتا مسکرائے "ابھی تو ہم میل بھر بھی نہیں آئے، ابھی سے تھک گئیں؟"

"تھکی نہیں، پر کیوں نہ ذرا دم لے لو؟"

"جب تک کوئی شکار ہاتھ نہ آئے، ہمیں آرام کرنے کا حق نہیں۔"

"میں شکار کھیلنے نہیں آئی تھی!"

مہتا نے انجان بن کر کہا "اچھا، یہ میں نہ جانتا تھا۔ تو پھر کیا کرنے آئی تھیں؟"

"اب تم سے کیا بات بتاؤں؟"

ہرنوں کا ایک جھنڈ چرتا ہوا نظر آیا۔ دونوں ایک چٹان کی آڑ میں چھپ گئے۔ نشانہ لگا کر گولی چلائی گئی۔ نشانہ خالی گیا اور جھنڈ بھاگ نکلا۔

مالتی نے پوچھا، "اب؟"

"کچھ نہیں، چلو، پھر کوئی شکار ملے گا۔"

دونوں کچھ دیر تک چپ چاپ چلتے رہے، پھر مالتی نے ذرا رک کر کہا "گرمی سے بُرا حال ہو رہا ہے۔ آؤ اس پیڑ کے نیچے بیٹھ جائیں۔"

"ابھی نہیں۔ تم بیٹھنا چاہتی ہو تو بیٹھو، میں تو نہیں بیٹھتا۔"

"بڑے بے رحم ہو تم! سچ کہتی ہوں۔"

جب تک کوئی شکار نہ مل جائے بیٹھ نہیں سکتا۔"

تب تو تم مجھے مار ہی ڈالو گے! اچھا بتاؤ کہ رات تم نے مجھے اتنا کیوں ستایا؟ مجھے تم پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ یاد ہے کہ تم نے مجھے کیا کہا تھا؟ تم ہمارے ساتھ چلے گا، دلدار؟ میں نہ جانتی تھی کہ تم اتنے شریر ہو۔

"اچھا، سچ کہنا کہ کیا تم اس وقت مجھے اپنے ساتھ لے جاتے؟"

مہتا نے کوئی جواب نہ دیا جیسے سنا ہی نہیں۔

دونوں کچھ دور چلتے رہے۔ ایک تو جیٹھ کی دھوپ دوسرے پتھریلا راستہ، مالتی تھک کر بیٹھ گئی، مہتا کھڑے کھڑے بولے، اچھی بات ہے تم آرام کرو، میں یہیں آجاؤں گا۔"

"مجھے اکیلا چھوڑ کر چلے جاؤ گے؟"

میں جانتا ہوں کہ تم اپنی حفاظت کر سکتی ہو۔"

"کیسے جانتے ہو؟"

نئے جگ کی دیویوں میں یہی توصفت ہے۔ وہ مرد کا سہارا نہیں چاہتیں بلکہ اس کے دوش بدوش چلنا چاہتی ہیں۔"

مالتی نے جھینپتے ہوئے کہا "تم کورے فلسفی ہو، مہتا! سچ!"

سامنے درخت پر ایک مور بیٹھا ہوا تھا۔ مہتا نے نشانہ لگایا اور بندوق سر کی۔ مور اڑ گیا۔

مالتی خوش ہو کر بولی "اچھا ہوا، بہت اچھا ہوا۔ میری بد دعا لگی۔"

مہتا نے بندوق کندھے پر رکھ کر کہا: "تم نے مجھے نہیں بلکہ اپنے آپ کو بد دعا دی۔ شکار مل جاتا تو میں تمہیں دس منٹ کی مہلت دیتا۔ اب تو تم کو فوراً چلنا پڑے گا۔"

مالتی اٹھ کر مہتا کا ہاتھ پکڑتی ہوئی: "فلاسفروں کے شاید دل نہیں ہوتا۔ تم نے اچھا کیا کہ شادی نہیں کی۔ اس غریب کو مار ہی ڈالتے! مگر میں یوں نہ چھوڑوں گی۔ تم مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔"

مہتا نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا اور آگے بڑھے۔

مالتی آبدیدہ ہو کر بولی: "میں کہتی ہوں، نہ جاؤ، ورنہ میں اسی چٹان پر سر پٹک دوں گی۔"

مہتا نے تیزی سے قدم بڑھائے۔ مالتی انھیں دیکھتی رہی۔ جب وہ بیس قدم نکل گئے تو جھنجھلا کر اٹھی اور ان کے پیچھے دوڑی۔ تنہا آرام کرنے میں تو کوئی لطف نہ تھا۔

قریب جا کر بولی "میں تمہیں اتنا حیوان نہ سمجھتی تھی۔"

میں جو ہرن ماروں گا اس کی کھال تمہیں بھینٹ کروں گا۔"

کھال جائے بھاڑ میں! میں تم سے بات نہ کروں گی۔"

"کہیں ہم لوگوں کے ہاتھ کچھ نہ لگا اور دوسروں نے اچھے شکار مارے تو مجھے بڑی جھینپ ہوگی۔"

ایک چوڑا نالا منہ پھیلائے آگے پڑا تھا جس کے بیچ کی چٹانیں دانتوں کی طرح معلوم ہوتی تھیں۔ دھار میں اتنا زور تھا کہ لہریں اچھلی پڑتی تھیں سورج سر پر آ پہنچا اور اس کی پیاسی کرنیں پانی میں کھیل رہی تھیں۔

مالتی نے خوش ہو کر کہا "اب تو لوٹنا پڑا۔"

"کیوں؟ اس پار چلیں گے وہیں تو شکار ملے گا۔"

"دھار کس زور کی ہے، میں تو نہ جاؤں گی۔"

اچھی بات ہے، تم یہیں بیٹھو، میں جاتا ہوں۔"

"ہاں آپ جائیے، مجھے اپنی جان سے بیر نہیں ہے۔"

مہتا نے پانی میں قدم رکھا اور پیروں کو سادھتے ہوئے چلے، جوں جوں آگے جاتے تھے پانی گہرا ہوتا جاتا تھا، حتیٰ کہ سینے تک آگیا۔

مالتی گھبرا اٹھی، اندیشے سے دل بیقرار ہوگیا۔ ایسی بیچینی تو اسے کبھی نہ ہوئی تھی۔ بلند لہجے میں بولی "پانی گہرا ہے، ٹھہر جاؤ! میں بھی آتی ہوں"

"نہیں تم پھسل جاؤ گی۔ دھار تیز ہے۔"

مالتی ساڑھی اور چڑھا کر نالے میں گھس پڑی مگر دس ہاتھ جاتے جاتے پانی اس کی کمر تک آگیا۔

مہتا گھبرائے۔ دونوں ہاتھوں سے اسے لوٹ جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولے "تم یہاں نہ آؤ مالتی! یہاں تمہارے گلے تک پانی ہے۔"

مالتی نے ایک قدم اور آگے بڑھا کر کہا "ہونے دو۔ تمہاری یہی مرضی

ہے کہ میں مرجاؤں تو تمھارے پاس ہی مروں گی۔"

مالتی پیٹ تک پانی میں تھی۔ دھارا اتنی تیز تھی کہ معلوم ہوتا تھا، اب قدم اکھڑا۔ مہتا لوٹ پڑے اور مالتی کو ایک ہاتھ سے پکڑ لیا۔

مالتی نے نشیلی آنکھوں میں غصّہ بھر کر کہا "میں نے تم جیسا بیدرد آدمی کبھی نہ دیکھا تھا۔ بالکل پتھر ہو! خیر، آج ستا لو جتنا ستاتے بنے، میں بھی کبھی سمجھوں گی۔"

مالتی کے پیر اکھڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔ وہ بندوق سنبھالتی ہوئی ان سے لپٹ گئی۔

مہتا نے دلاسا دیتے ہوئے کہا "تم یہاں کھڑی نہیں رہ سکتیں، میں تمھیں اپنے کندھے پر بٹھائے لیتا ہوں۔"

مالتی نے چیں بجبیں ہو کر کہا "تو اس پار جانا اتنا ضروری ہے؟"

مہتا نے کچھ جواب نہ دیا۔

بندوق کو کنپٹی سے کندھے پر دبا لیا اور مالتی کو دونوں ہاتھوں سے اٹھا کر کندھے پر بٹھایا۔

مالتی اپنی خوشی کو دباتی ہوئی بولی "اگر کوئی دیکھ لے؟"

"تو دیکھ لے۔ اس میں شرم کی کیا بات ہے؟"

"بھدا لگتا ہے۔"

دو قدم کے بعد اس نے درد بھری آواز میں کہا "اچھا بتاؤ کہ اگر میں یہیں ڈوب جاؤں تو تمھیں رنج ہوگا یا نہیں؟ میں تو سمجھتی ہوں کہ تمھیں بالکل رنج نہ ہوگا۔"

مہتا بولے "تو تم سمجھتی ہو کہ میں انسان نہیں ہوں۔"

"میں تو یہی سمجھتی ہوں، کیوں چھپاؤں؟"

"سچ کہتی ہو، مالتی؟"

"تم کیا سمجھتے ہو؟"

"میں پھر کبھی بتاؤں گا۔"

پانی مہتا کے گلے تک آگیا، کہیں اگلا قدم اٹھاتے ہی سر تک نہ آجائے مالتی کا دل دھڑکنے لگا۔ بولی: "مہتا! ایشور کے لئے اب آگے مت جاؤ۔ ورنہ میں پانی میں کود پڑوں گی۔"

اس سنکٹ میں مالتی کو ایشور یاد آیا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتی تھی۔ جانتی تھی کہ ایشور کہیں بیٹھا نہیں ہے جو آکر انھیں بچالے۔ مگر دل کو جس سہارے اور سکت کی ضرورت تھی وہ اور کہاں تھا؟ پانی کم ہونے لگا۔ مالتی نے خوش ہو کر کہا: "اب تم مجھے اتار دو۔"

"نہیں نہیں، چپ چاپ بیٹھی رہو۔ کہیں آگے کوئی گڑھا نہ ہو۔"

"تم سمجھتے ہوگے کہ کتنی خود غرض ہے۔"

"مجھے اس کی اُجرت دے دینا۔"

مالتی کے دل میں گدگدی ہوئی: "بولی کیا اُجرت لوگے؟"

"یہی کہ جب تمھاری زندگی میں کوئی ایسا ہی موقع آئے تو مجھے بلا لینا۔"

دونوں کنارے پر آگئے۔ مالتی نے ریت پر اپنی ساڑی نچوڑی، جوتے کا پانی نکالا، منہ ہاتھ دھویا، مگر یہ الفاظ اپنے بھید بھرے مطلب کے ساتھ اس کے سامنے ناچتے رہے۔

اس نے تجربے کا لطف اٹھاتے ہوئے کہا: "یہ دن یاد رہے گا۔"